

خطبات بہاولپور کا علمی جائزہ..... ڈارون کا نظریہ ارتقاء (قسط: ۴)

علامہ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ

ڈارون کا مقام ڈاکٹر صاحب کی نگاہ میں:

محترم ڈاکٹر صاحب نے ڈارون کی منقبت سرائی میں بڑی فراخ دلی سے کام لیا ہے۔ ان کے ریمارکس مختصراً

یوں ہیں۔

الف۔ ڈارون نے عربی زبان سیکھ لی تھی۔

ب۔ ڈارون نے اپنے عربی اساتذہ کے نام بڑے احترام سے لیے ہیں۔

ج۔ اس کا نظریہ ارتقاء دراصل اخوان الصفا اور ابن مسکویہ جیسے حکماء اسلام کے نظریات کا چر بہ ہے۔

د۔ ان حکماء کو ان کی زندگی میں کافر قرار نہیں دیا گیا تھا، تو ڈارون کے نظریہ کو بھی اسلام کے خلاف نہیں کہہ سکتے۔

ڈارون کو ملحد اور خدا کا منکر قرار دینا ایک مفروضہ ہے۔

بول چال میں پاکیزہ اور شستہ زبان کا استعمال یقیناً قابل تعریف ہے اور یہ ڈاکٹر صاحب کی خوبی ہے۔ لیکن! سوال یہ ہے کہ کیا محض عربی زبان کا سیکھ لینا کسی کو کفر سے بچانے کے لیے کافی ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو عربی لغت المنجد کا مصنف ”لولیس معلوف“ یقیناً اس دور کا سب سے بڑا مسلمان ہوتا۔ ڈارون بیچارے کو تو عربی زبان سیکھنا پڑی، لاکھوں عیسائی اور یہودی عربی زبان میں مہارت رکھتے ہیں اور آج وہ بین الاقوامی شہرت کی حامل یونیورسٹیوں میں عربی زبان کی تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ہندو دھرم کا مشہور بدنام زمانہ مصنف ”پنڈت دیانند سرسوتی“ عربی زبان خوب جانتا تھا تو ڈاکٹر صاحب ان سب کے بارے میں کیا ارشاد فرمائیں گے؟

عربی اساتذہ کے نام احترام سے لینا تو ایک طرف رہا، حدیث اور سیرت طیبہ کی کتابیں اٹھا کر دیکھئے کہ قیصر روم، ہرقل نے خود نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا غائبانہ کس قدر احترام کیا، مگر کیا کسی نے اسے مسلمان قرار دیا؟ مسٹر گاندھی آنجنمانی نے رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی تعریف کی۔ رئیس الاحرار نے فرمایا: ”پھر انتظار کس چیز کا ہے، کلمہ پڑھ لیجئے“۔ اس پر آنجنمانی خاموش ہو گئے۔ دلو رام کوثری، بھگوان داس، عرش ملیانی جیسے ہندو شعراء اور سینکڑوں ہندو، سکھ، عیسائی اور دیگر غیر مسلم مصنفین نے بارگاہ نبوت میں عقیدت کے پھول نذر کیے، لیکن کیا ان میں سے کسی کو مسلمان قرار دیا جاتا ہے؟ ان صفحات میں گنجائش نہیں ورنہ تو ہم ذرا کھول کر بیان کرتے کہ سچا جاننے اور سچا ماننے میں فرق ہے۔

اخوان الصفا اور ابن مسکویہ جیسے قدیم فلسفہ دان، جنہیں ڈاکٹر صاحب یا اہل علم ”حکماء اسلام“ کے گراں قدر خطاب (Title) سے نوازتے ہیں، بڑی ستم ظریفی ہے کہ ڈاکٹر صاحب، ڈارون کو ان کا خوشہ چیں بتا کر ڈارون کی نظریہ کو حیات جاوید

اور استحکام بخشنا چاہتے ہیں، ورنہ تو اس نظریہ کو اسلام کے مطابق قرار دینے کے لیے کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے۔ سب سے بڑا المیہ تو یہ ہے کہ ”حکمت“ اور ”حکیم“ کے قرآنی الفاظ کو بالکل بے محل اور بے جا طور پر فلسفہ یونان اور اس کے جاننے والوں کے لیے استعمال کیا گیا۔ فلسفہ یونان نے بلاشبہ انسانی معاشرہ کو بہت سی مفید اور کارآمد چیزیں بھی دیں، لیکن اس کا ایک بڑا حصہ اوہام اور مفروضات پر مشتمل ہے۔ اس فلسفہ کے مطابق:

الف۔ مادہ قدیم ہے۔

ب۔ الواحد لا یصدر منه الا الواحد۔

ج۔ واجب الوجود نے صرف عقلی اوّل کو پیدا کیا۔ عقلی اوّل نے عقلی ثانی اور فلک اوّل کو پیدا کیا۔ اس طرح ہوتے ہوئے عقل تاسع نے عقل عاشر اور فلک تاسع کو پیدا کیا۔ پھر عقل عاشر نے باقی ساری کائنات کو پیدا کیا۔

د۔ ان فلاسفہ نے افلاک کی جو ہیئت بیان کی ہے، آج پڑھے لکھے بچے بھی اسے سنتے ہیں تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں: ذَلِکَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ۔

ه۔ افلاک خرق والتیام کو قبول نہیں کرتے۔ وغیر ذلک من الخرافات۔

”حکمت“ کا لفظ قرآن کریم میں تقریباً بیس مرتبہ آیا ہے اور ہر جگہ اس سے ”علوم نبوت“ مراد ہیں نہ کہ یونانی فلسفہ۔ بڑا ظلم ڈھاتا ہے اور تفسیر بالرائے کے جرم عظیم کا مرتکب ہوتا ہے وہ شخص جو قرآن کریم کے لفظ ”حکمت“ سے یونانی طب یا یونانی فلسفہ مراد لیتا ہے۔ اس فلسفہ کی بڑی بڑی کتابیں آج بھی مدارس عربیہ میں پڑھائی جا رہی ہیں، طلبہ ان کو رٹ لیتے ہیں، بلکہ دیمک کی طرح چاٹ لیتے ہیں، مگر حاصل ندارد۔ یہ بیچارے اتنا بھی نہیں بتا سکتے کہ چراغ کو پھونک مارو تو بجھ جاتا ہے، مگر چولھے میں ہوا کرو تو آگ جل اٹھتی ہے۔ کیا وجہ ہے؟ آدمی سائیکل پر سوار ہو کر کھڑا رہنا چاہے تو سہارے کے بغیر کھڑا نہیں رہ سکتا۔ گر پڑتا ہے، مگر پیڈل مارتا ہوا آگے حرکت کرتا ہے تو یہ جا، وہ جا۔ اس میں کیا راز ہے؟

میں عرض یہ کر رہا تھا کہ ”حکمت“ اور ”حکیم“ کا لفظ قرآن مجید سے چرا کر یونانی فلاسفہ اور ان کے پیروکاروں پر چسپاں کر دیا گیا، چلنے ”دانایاں در پئے الفاظ نئے روند“ کے تحت ہم اس بات کو چھوڑتے ہیں، مگر یہ کیونکر فرض کر لیا گیا کہ ان فلاسفہ یونان یا دانایان فرنگ کے منہ اور قلم سے نکلی ہوئی ہر بات کو سر پر رکھنا اور آنکھوں سے لگانا ضروری ہے؟

اخوان الصفاء دراصل چند لکھے پڑھے لوگوں کی ایک جماعت کا نام ہے، جس نے اعتزال کی کھک سے جنم لیا اور شیعیت کی گود میں پرورش پائی۔ اہل علم جانتے ہیں کہ معتزلہ نے اپنے لیے ”اصحاب العدل والتوحید“ کا ٹائٹل منتخب کیا تھا۔ ان لوگوں نے اپنے لیے ”اہل الصفاء والایمان“ کا لقب چنا، جو شدہ شدہ ”اخوان الصفاء“ بن گیا۔ ”رسائل اخوان الصفاء“ ۵۲ مختلف مقالات کا مجموعہ ہے، جن میں مصنفین نے اپنے نقطہ نگاہ سے الہیات اور دیگر عنوانات پر گفتگو کی ہے۔ جو لوگ فرقہ اسماعیلیہ (قراطلہ) کی تاریخ سے واقف ہیں، انھیں مزید کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی وہ گروہ ہے جس نے حسن بن صباح کی سرکردگی میں دنیائے اسلام میں تہلکہ مچا دیا تھا۔ قلعہ الموت کی فردوس بریں بھی اسی کا کارنامہ ہے۔ شاید ان لوگوں کی یہی ”اسلام دوستی“ ہے جس کی بنا پر گولڈز بیہر جیسے متعصب مستشرق نے ان کے حالات میں دلچسپی

لی۔ علماء اسلام نے ان کے بارے میں کیا کہا، یہ ایک تفصیل طلب کہانی ہے۔ پھر تو پہلے ان لوگوں کے عقائد کا بیان کیا جائے اور اس کے بعد علماء اُمت کی آراء کا ذکر ہو۔

ابن مسکویہ (جس کو مسکویہ کہنا زیادہ صحیح ہے) بھی چوتھی صدی ہجری میں پیدا ہوا۔ وہ ابونصر فارابی کا شاگرد تھا۔ شروع میں امراء سلطنت کے ہاں ملازم رہا۔ پڑھنے لکھنے کا شوقین تھا۔ وہ ارسطو کے فلسفہ کا شارح بن کر ابھرا۔ اس نے بیس سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ الرئیس بوعلی ابن سینا اور بعض دوسرے مصنفین اسے ایک کیمیا دان (Chemist) قرار دیتے ہیں کہ یہ پارس کے پتھر کی تلاش میں پھرتا رہتا تھا۔ اب اخوان الصفاء ہوں یا ابن مسکویہ، یونانی فلسفہ کے ترجمان اور شارح کی حیثیت سے آپ ان کو جتنا اونچا مقام دیں، آپ جائیں اور آپ کا کام، سوال یہ ہے کہ کتاب وسنت کے شارح، فقہ اسلامی کے ماہر اور فلسفہ اسلامیات کے رمز شناس کی حیثیت سے بھی ان کا نام لیا جاسکتا ہے؟ جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔ تو پھر آپ اسلامیات کے طالب علم کو ان کا راستہ کیوں دکھاتے ہیں؟

ما قصہ اسکندر و دارا نخواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

نظریہ ارتقا کا خلاصہ:

ڈاکٹر صاحب کے بیان کے مطابق نظریہ ارتقا کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

- ۱۔ خدا نے پہلے مادہ کو پیدا کیا۔
- ۲۔ وہ مادہ ترقی کرتے کرتے بخاریادھواں بن گیا
- ۳۔ اس دھویں نے ترقی کرتے کرتے پانی کی شکل اختیار کر لی۔
- ۴۔ وہ پانی ترقی کرتے کرتے جمادات میں تبدیل ہوا۔
- ۵۔ جمادات ترقی کرتے کرتے مختلف اشیاء اور بالآخر مر جان بنیں۔
- ۶۔ جمادات کے بعد نباتات کا سلسلہ شروع ہوا۔
- ۷۔ نباتات کے بعد ادنیٰ ترین حیوان بنا۔
- ۸۔ ادنیٰ ترین حیوان نے ترقی کرتے کرتے بندر کی شکل اختیار کر لی۔
- ۹۔ بندر ترقی کرتے کرتے ادنیٰ قسم کا انسان بنا۔
- ۱۰۔ ادنیٰ انسان ترقی کرتے کرتے ولی اور پیغمبر بنا۔
- ۱۱۔ ولی اور پیغمبر ترقی کرتے کرتے فرشتہ بنا۔
- ۱۲۔ فرشتوں کے بعد خدا کی ذات ہوتی ہے۔

یوں ہر چیز خدا شے شروع ہو کر خدا ہی کی طرف جاتی ہے۔ ”و الیہ المرجع والمآب“۔ بات پہلے ہی خاصی طویل ہو گئی ہے۔ اب اگر ہم ڈاکٹر صاحب کے ارشادات کا تفصیلی جائزہ لیں تو نہیں کہا جا

سکتا کہ معاملہ کہاں تک پہنچ جائے گا۔ اس لیے ہم قارئین سے معذرت کے ساتھ چند ہی نکات پر قناعت کریں گے۔ واللہ
بیہدینا السبیل۔

۱۔ کیا انسانی تخلیق فرشتوں سے پہلے ہوئی؟

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ انسانوں کی ترقی یافتہ نوع (ولی اور پیغمبر) سے فرشتہ بنا۔ اب قطع نظر اس سے کہ اللہ کے نزدیک انسان کا مرتبہ و مقام بلند ہے یا فرشتہ کا، اتنا تو قرآنی تصریحات سے ثابت ہے کہ آدم کی تخلیق فرشتوں کے بعد ہوئی۔ چنانچہ فرمایا گیا: ”إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ مَّ بَشَرًا“۔ (سورۃ الحج: ۲۸)
ترجمہ: اس وقت کو یاد کرو جب کہ تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں انسان کو پیدا کرنے والا ہوں۔“
یہ الفاظ دو جگہ آئے ہیں ایک سورۃ حجر، آیت: ۲۸ اور دوسرے سورۃ ص، آیت: ۱۷ اور یہی مضمون دوسرے لفظوں میں اور بھی کئی جگہ آیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کو علم حدیث سے مناسبت ہے تو حیرت کی بات ہے کہ انھوں نے اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو بھی نظر انداز کر دیا کہ فرشتوں کی پیدائش نور سے ہوئی اور انسانوں کی مٹی سے۔ (مسلم) اور ہاں یہ بھی غور طلب ہے کہ کافروں کو حضرات انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اس بات کا اعتراف رہا کہ وہ بشر ہیں۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام سے ان کی قوم نے کہا تھا:

مَا نَرَاكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا۔ (سورۃ ہود: ۲۷)، وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُؤْمِنُوْا اِذْ جَاءَهُمُ الْهُدٰی اِلَّا اَنْ قَالُوْا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ (سورۃ بنی اسرائیل: ۹۴)، قومِ ثمود نے کہا تھا: اَبَشَرًا مِّثْنَا وَاِحْدًا نَّتَّبِعُهٗ۔ (سورۃ القمر: ۲۴)، تو کیوں نہ ایسے مواقع پر کفار کو یہ جواب دیا گیا: نادانو! انسانوں کی ایک کھیپ ترقی کر کے فرشتوں میں بدل گئی ہے، آئندہ بھی ایسا ہوتا رہے گا، ولی اور پیغمبر Develop ہو کر فرشتے بنتے رہیں گے۔ وقت آنے پر یہ ہو جائے گا، تم ایمان تو لے آؤ؟ الثانیان سے یہ کہا جاتا رہا ہے کہ دیکھو ہمیشہ انسان ہی نبی بن کر آتے رہے اور وہ انسان ہی رہے۔ اسی حالت میں وہ دنیا سے رحلت کر گئے۔ تمہارا یہ اعتراض غلط اور عبث ہے۔ اسے واپس لے لو۔

۲۔ کیا انسانی تخلیق کوئی امتیازی شان رکھتی ہے؟

ڈاکٹر صاحب تو یہ فرما کر فارغ ہو گئے کہ ”بندر سے انسان بنا“، گویا یہ تمام ارتقائی مراحل Automatically طے ہوتے رہے، لیکن وہ اس قرآنی تصریح کا کیا کریں گے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے حضرت آدم کو سجدہ نہ کرنے پر جواب طلبی کی تو فرمایا:

مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیْ۔ (ص: ۷۵)

ترجمہ: ”تجھے کس چیز نے روکا تھا کہ تو اس کو سجدہ کرتا جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا۔“

اس میں ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام کے بارے میں اللہ رب العزت نے یہ جو فرمایا کہ میں نے اسے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا، اس سے انسانی تخلیق کی امتیازی شان کا اظہار مقصود ہے۔ اللہ کی ذات بے چون و بے چگون

ہے، اسی طرح اس کے افعال بھی انسانی فہم سے بالاتر اور بے مثال ہیں۔ اس کی کوئی وضاحت تو نہیں کی جاسکتی، اتنا بہر حال ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آدم کی پیدائش کسی ارتقائی مرحلہ کے طور پر نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت کا براہِ راست کوئی شاہکار ہے۔

اس کی مزید تائید ایک حدیث شریف سے ہوتی ہے جو بخاری اور مسلم کے علاوہ دوسرے بہت سے کبار محدثین نے نقل کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ“ (صحیح مسلم، ج: ۲، ص: ۳۲۷)۔ اس حدیث کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہے۔ البتہ اس بارے میں شارحین کے دو قول پائے جاتے ہیں کہ صورت کی ضمیر کس کی طرف لوٹ رہی ہے۔ بیشتر علماء یہ کہتے ہیں کہ اس کا مرجع آدم کا لفظ ہے۔ اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت آدم علیہ السلام جس شکل و صورت کے ساتھ زمین پر رہتے تھے، شروع سے ان کی تخلیق اسی شکل و صورت میں ہوئی۔ اسی سے وہ بہشت میں رہے، اسی سے وہ دنیا میں تشریف لائے اور اسی پر ان کی وفات ہوئی۔

(نووی شرح مسلم، ج: ۲، ص: ۳۲۷، اور فتح الباری شرح بخاری)

محدثین کا دوسرا قول یہ ہے کہ ”ہ“ ضمیر اللہ کی طرف راجع ہوگی۔ اور اضافت تشریفیہ ہوگی (اضافت تشریفیہ کا مطلب قارئین پوری طرح سمجھ لیں کہ مضاف الیہ کی وجہ سے مضاف میں بھی عظمت اور برتری آجائے۔ مثلاً حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ناقہ اللہ کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے سواری کا کام دیتی تھی۔ بیت اللہ کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری تمھاری طرح اس گھر میں ڈیرہ لگائے ہوئے ہیں، بلکہ اللہ کی طرف مضاف کر کے اس اونٹنی اور اس گھر کی عظمت شان کا اظہار مطلوب ہے۔ اسی طرح ”اللہ کی صورت“ سے مراد اس صورت کا عظیم الشان اور برتر ہونا بتایا گیا ہے اور بس) دونوں میں سے جو بھی قول لیا جائے، ڈارونی نظریہ ہباء منثورا ہو جاتا ہے۔ پہلے قول کے مطابق تو ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمادی کہ حضرت آدم علیہ السلام شروع ہی سے معروف انسانی شکل پر پیدا ہوئے تھے۔ دوسرے قول کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو نسلِ انسانی کے باوا کی عظمت ان الفاظ میں بیان فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی شکل پر پیدا فرمایا۔ اب کسی کی کیا مجال کہ وہ انسان کو ترقی یافتہ بندر قرار دے؟ العیاذ باللہ حدیث بالا میں جو کچھ بیان ہوا ہے یہ ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام کے بارے میں تھا۔ رہ گئی ان کی نسل اور اولاد تو قرآن مجید میں اس کے متعلق نہایت واضح طور پر فرمادیا گیا ہے: هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ“ (سورہ آل عمران: ۶)

ترجمہ: یعنی وہ اللہ ہی جس طرح چاہتا ہے ماؤں کی رحموں میں تمھاری صورتیں بنا دیتا ہے۔

ایک طرف اللہ رب العزت کا فرمان گرامی ہے جو الخالق، الباری، المصور ہے۔ دوسری طرف قدیم فلاسفہ یا مسٹر ڈارون کے بے سرو پا نظریہ ہے۔ اللہ نے جو کچھ فرمایا، وہ حقیقت ہے اور ڈارون نے جو کچھ کہا، وہ محض (THEORY) ہے۔ حقیقت کے مقابلے میں نظریے کی رٹ لگائے جانا محض ابلہ فریبی اور سفسطہ پردازی ہے۔

قُلْ أَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ۔ (سورہ بقرہ: ۱۲۰)

۳۔ کیا نبوت ایک کبھی چیز ہے؟

ڈاکٹر صاحب نے یہ کمال کر دیا ہے کہ ادنیٰ انسان کو پیغمبر کے درجے تک پہنچا دیا۔ گویا ان کی رائے میں پیغمبر Promote ہوتا ہے۔ یعنی ایک عام آدمی نیکی میں ترقی کرتے کرتے ”نبی“ کا درجہ حاصل کر سکتا ہے، حالانکہ علماء اُمت کے نزدیک نبوت کسی شے نہیں، محض اور محض وہی چیز ہے۔ ہر نبی (Selected) منتخب ہوتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

اللَّهُ يَصْطَفِي مَنِ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ (سورہ الحج: ۷۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے پیغامبروں کو چن لیتا ہے اور انسانوں میں سے بھی۔

۴۔ کیا نظریہ ارتقا کا تعلق اللہ کی ذات سے بھی ہے؟

بیچارے ڈارون یا اس نے نظریہ ارتقا، جو کچھ بھی بیان کیا تھا، اس کا تعلق صرف مخلوق سے تھا۔ مگر ڈاکٹر صاحب نے غضب یہ ڈھایا کہ خالق یعنی اللہ کی ذات سے بھی اس کا تعلق جوڑ دیا۔ قارئین خود ہی سوچیں کہ ”فرشتوں کے بعد خدا ہی کی ذات ہوتی ہے“۔ اس جملے کا کیا مطلب ہے؟

پھر صاحب موصوف نے ”الیہ المرجع والمآب“ کا عربی جملہ یوں فٹ کیا ہے کہ گویا یہ کوئی قرآنی آیت ہے اور وہ اپنے موقف کی تائید میں اسے یہاں نقل فرما رہے ہیں۔

نظریہ انقلاب اور قرآن کریم:

یہ تو ایک مسلمہ ہے کہ نسل انسانی کو پیدائش کے سلسلہ میں کئی ایک انقلابی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ اب اس (Evolution Theory) نظریہ انقلاب کی ایک تشریح اور تعبیر وہ ہے جو قدیم سے مفسرین اور دیگر علماء اُمت کرتے چلے آئے ہیں۔ یہ تشریح قرآن پاک کی سورہ مؤمنون آیات نمبر ۱۲ تا ۱۴ اور غیرہ سے ماخوذ ہے۔ اس کو مختصر آیوں بیان کیا جا سکتا ہے:

”مٹی کے جوہر یعنی غذا سے نطفہ بنا۔ نطفہ سے خون کا لوتھڑا۔ لوتھڑے سے گوشت کا ٹکڑا یعنی بوٹی۔ بوٹی پر ہڈیوں کا اضافہ ہوا۔ ہڈیوں کو گوشت کا لباس ملا۔ پھر اس میں ایک اور تخلیقی اضافہ ہوا یعنی اس میں روح پھونکی گئی۔“

انقلاب کی دوسری تشریح اور تعبیر وہ ہے جو ڈارون نے نظریہ سے اتفاق کرنے والے بعض جدید علماء نے کی۔ پیچھے اقتباس نمبر ۱۰ میں قرآنی آیت ”خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا“ کے حوالہ سے ڈاکٹر صاحب کا فرمان نقل ہو چکا ہے کہ:

”خدا نے انسان کو طور بہ طور پیدا کیا۔ اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ خدا نے انسان کو اولاً جمادات کی شکل میں بنایا۔ پھر وہ جمادات ترقی کرتے ہوئے نباتات بنتے ہیں، پھر حیوان بنتے ہیں۔“

آئیے، ٹامک ٹوئیاں مارنے کی بجائے، ہم اس گتھی کو سلجھانے کے لیے خود خالق کائنات کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ وہ اس بارے میں کیا کہتا ہے۔ درج ذیل تین سوالات ذہن میں رکھیے:

۱۔ بنی نوع انسان کا آغاز کس طرح ہوا؟

۲۔ آگے یہ سلسلہ کیونکر چلا؟

۳۔ تطوُّرات یعنی تخلیقی انقلابات کس طرح وقوع پذیر ہوتے ہیں؟

پہلے سوال کا جواب ہمیں ان الفاظ میں ملتا ہے: ”خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ“۔ (سورہ نساء: اعراف: ۱۸۹، سورہ زمر: ۵) بنی نوع انسان کا آغاز فرد واحد سے ہوا۔ یہ کسی اور حیوانی مخلوق کی ترقی یافتہ شکل نہیں ہے بلکہ ایک منصوبہ بندی کے تحت، دستِ قدرت نے خاکی عنصر سے اس کا پتلا تیار کیا: ”خَلَقْتُ بِيَدَيَّ“۔ پھر اس میں نہایت اعلیٰ اور رفیع شان کی روح پھونکی: ”وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوْحِي“۔ اس طرح ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام وجود میں آئے۔

دوسرے سوال کے جواب میں یہ کہا گیا کہ حضرت آدم کے فطری اور طبعی تقاضا کے مطابق ان کی رفیقہ حیات (حضرت حواء) کو انھی کی جنس سے پیدا فرمایا۔ ”وَ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا“ (سورہ نساء: ۱)، ”جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا“ (سورہ اعراف: ۱۸۹، سورہ زمر: ۶)۔ اس کے بعد فرمایا کہ پھر ان دونوں کے میل ملاپ سے نسلِ انسانی کا سلسلہ چلا: ”وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَ نِسَاءً“ (سورہ نساء: ۱) حقیقت یہ ہے کہ اس قرآنی بیان نے ڈاروینی نظریہ کی جڑ کاٹ کر رکھ دی ہے۔ رہا تیسرا سوال کہ تخلیقی انقلابات کب اور کہاں وقوع پذیر ہوتے ہیں تو اس بارے میں قرآن یہ کہتا ہے:

”يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِى ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ“ (سورہ زمر: ۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں ایک شکل کے بعد دوسری شکل دے کر تین اندھیروں میں بناتا ہے۔ مفسرین نے تین اندھیروں کی وضاحت اس طرح سے کی ہے کہ ایک تو بچے کے اوپر ایک جھلی چڑھی ہوئی ہوتی ہے، پھر وہ بچہ رحم کے اندر ہوتا ہے۔ رحم کے اوپر شکمِ مادر کی تاریکی ہوگئی۔ اس آیت میں بالکل صراحت فرمادی گئی کہ نطفہ سے لے کر آدم زاد بننے تک جتنے بھی تطوُّرات سے واسطہ پڑتا ہے اور جتنے بھی مراحل گزرتے ہیں، یہ سب مراحل ماں کے پیٹ ہی میں طے ہوتے ہیں۔ انھی تخلیقی مراحل کو دوسرے مقام پر ”خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تو اس آیت کی ماڈرن تفسیر..... کہ جمادات سے نباتات، نباتات سے حیوانات، حیوانات سے ایک اعلیٰ قسم یعنی بندر، اور بندر سے انسان بننے کے انقلابات مراد ہیں، اسے ہم ڈاروینی نظریہ کو قرآنی ثبوت مہیا کرنے کی سعی ناکام اور کوششِ رایگاں کا نام تو دے سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

تفسیر ماجدی میں لکھا ہے کہ اللہ آباد کے ایک نام ور و ممتاز ہندو ڈاکٹر، در پردہ مسلمان ہو گئے تھے اور اسی آیت کی بنا پر قرآن کی صداقت کے قائل ہو گئے تھے۔ کہتے تھے ایک اُمّی عرب کے لیے اس گہری طبیبی حقیقت سے، آج سے تیرہ چودہ سو برس پہلے واقف ہو جانا ناممکن تھا۔

قرآن کریم کوئی (Biology) حیاتیات کی کتاب نہیں ہے۔ مقام حیرت ہے کہ اغیار تو اس کے انکشافات کو پڑھ کر سر دھنستے رہیں اور اپنوں کا یہ حال کہ غیروں کی خاطر قرآنی تشریحات کو بدل دی۔ فی اللہ!

دو توجہ طلب باتیں:

۱۔ آپ پیچھے پلٹ کر اقتباس نمبر ۹ اور ۱۰ کو پڑھئے۔ ڈاکٹر صاحب نے نظریہ ارتقا کے مخالفین پر ایک پھبتی کسی: ”ہمارا تصور یہ ہے کہ اللہ ایک کمہار کی طرح مٹی کو لیتا ہے اور اس کی صورت بناتا ہے۔ اس میں روح پھونکتا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام بن جاتے ہیں۔“

استہزاء اور محول کا یہ انداز ایک سنجیدہ اسکالر کو زیب نہیں دیتا اور پھر عجیب تر یہ بات ہے کہ ڈاکٹر صاحب اس کے بعد معاف فرماتے ہیں:

”ممکن ہے، ایسا ہوا ہو۔ میں انکار نہیں کرتا۔“

اب کوئی ان سے پوچھے کہ حضرت! جس چیز کو اپنے طنز لطیف کا نشانہ بناتے ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ دبے لفظوں میں آپ اس کی تائید شروع کر دیتے ہیں؟ آج تک تو ہم یہی سنتے آ رہے ہیں کہ: ”لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ“۔ اللہ کی ذات بے چون و بے چگون ہے۔ کبھی کسی عالم نے اس ذات کبریا کو ”کمہار“ سے تشبیہ دینے کی جرأت نہیں کی۔ آپ اس کے روادار کیونکر ہو گئے؟

(۲) قارئین کو ایک مرتبہ ہم پھر زحمت دیں گے کہ وہ مڑ کر اقتباس نمبر ا کو ملاحظہ فرمائیں اور اس نرالی منطق کی کوئی توجیہ ان کی سمجھ میں آتی ہو تو ہمیں اس کے سننے کا انتظار رہے گا۔ فرماتے ہیں:

”ڈارون کے نظریے کو اسلام نے رد کر دیا ہے۔ اس کو ثابت کرنا آپ پر فرض ہے۔ بعد میں دیکھیں گے کہ یہ اسلام کے موافق ہے یا مخالف۔“

ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اگر فریق ثانی کتاب و سنت کی روشنی میں ڈارون کی نظریہ کا غلط ہونا ثابت کر دے تو پھر بھی یہ دیکھنا ہو گا کہ یہ اسلام کے موافق ہے یا مخالف؟ جب فریق ثانی نے اپنا موقف دلائل سے ثابت کر دیا تو پھر دیکھنے اور سوچنے کی کیا گنجائش؟

جو لوگ اپنے دین و ایمان کو ڈارونیت پر واردینا چاہتے ہیں، ہم ان سے خیر خواہانہ التماس کریں گے کہ انخوان الصفاء ہوں یا ابن مسکویہ، ڈارون ہو یا ارنسٹ ہیکل ان میں سے کوئی بھی تخلیق کائنات کے وقت اللہ تعالیٰ کے پاس موجود نہ تھے اور ان میں سے کوئی خالق کائنات کا شریک کار نہ تھا:

”مَا أَشْهَدْتُهُمْ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنْفُسِهِمْ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَصَدًا“ (سورہ کہف: ۵۱)

ترجمہ: نہ تو آسمان اور زمین کے پیدا کرتے وقت میں نے انھیں بلا لیا تھا اور نہ خود ان کی پیدائش کے وقت (اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا) اور میں گمراہ کن لوگوں کو اپنا دست و بازو بناتا یہ تو ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

جب یہ صورت ہے تو ڈارون کے پیر و کار محض ظن و تخمین کے پیچھے چل رہے ہیں:

”إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا“ (سورہ النجم: ۲۸)

ترجمہ: ”وہ محض اٹکل پر چل رہے ہیں جب کہ حق کے مقابلہ میں اٹکل کچھ بھی کام نہیں دے سکتی۔“

تو انھیں چاہیے کہ ظنون و اوہام کو چھوڑیں اور حق کا اتباع کریں۔

ہم دیانت داری کا تقاضا سمجھتے ہیں کہ اس حقیقت کا برملا اظہار کر دیں کہ نظریہ ارتقا کی تائید میں ڈاکٹر صاحب ا کیلے نہیں ہیں بلکہ بعض دوسری دارز قامت شخصیتیں بھی ان کی ہم نوا ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی کے علم و فضل میں کس کو کلام ہے؟

ماہنامہ ”تقیب تم نبوت“ ملتان (فروری 2018ء)

نقد و نظر

انہوں نے ابن مسکویہ کی ”الفوز الاصحح“ سے عربی عبارات نقل کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ ڈارون اس نظریہ کا بانی اور موجد نہیں ہے۔ صدیوں پہلے یہ نظریہ پیش کیا جا چکا تھا۔ ایک دوسرے بزرگ نے اپنی تفسیر میں اس مسئلہ کو جگہ دی اور کافی شدہ و مد سے اس کو بیان کیا، لیکن ہم گنہگاروں کی وہی ایک بات:

”ایتونی بشیء من کتاب اللہ او سنة رسول اللہ حتی اقول به“

جس چیز کی تائید اللہ کے قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے نہیں ہوتی بلکہ تردید ہوتی ہے، وہ دیوار میں دے مارنے کے قابل ہے۔ فاحضر بسوہ بالحائط۔ ہمیں امام عالی مقام سیدنا ابوحنیفہؒ کا یہ فرمان بھی یاد ہے:

اترکوا قولی بخیر رسول اللہ ﷺ۔

مخالف حدیث ہونے کی صورت میں حضرت الامام کا قول چھوڑ دیا جائے گا۔ بیچارے ابن مسکویہ یا ڈارون کون ہوتے ہیں؟ هذا ما اعتقدنا و اللہ نسأل حسن الختام۔ جہاں تک ان بزرگوں کا تعلق ہے، ہم ان کے بارے میں کسی سوء ظن یا بدزبانی کے قطعاً روادار نہیں۔ اپنے علم کی رو سے وہ حضرات، ہمارے قلبی احترام کے مستحق ہیں، مگر سیدنا فاروق اعظم کے اس فرمان سے چشم پوشی نہیں کر سکتے، جس کا ترجمہ یہ ہے:

تین چیزیں، اسلام کی رونق کو پامال کرتی ہیں: عالم کی لغزش، منافق کی کج بختی اور گمراہ کن فرماں رواؤں کا

اقتدار۔ اعاذنا اللہ من شرھا

”تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَتِهِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ“ (سورۃ الانعام: ۱۱۵)

(جاری ہے)



found.